مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری
(استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اکیسویں صدی اور اسلام بیسویں صدی کے تناظر میں

بیسویں صدی عالم اسلام کے لئے سخت آزمائشوں، ناکامیوں، نامرادیوں، مظلومیت اور بے بسی کی صدی تھی۔ اس صدی میں عالم اسلام کے سینے میں اسرائیل کی شکل میں خنجر گھونپا گیا اور فلسطین کی سرزمین یہودیوں کے ناپاک عزائم کو بروئے کار لانے کے لئے انہیں دی گئی۔ برطانیہ، فرانس، امریکہ اور یورپ کی سازش سے مسلمانوں کی متحدہ طاقت وقوت کا مظہر خلافت عثمانیہ کو نہ صرف کمزور کیا گیا بلکہ الغائے خلافت کا اعلان کر دیا گیا، اور ترکی پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنا دیا گیا جو اپنی اسلام دشمنی میں ممتاز کردار ادا کر سکتا تھا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اسلامی شعائر پر پابندی عائد کر دی گئی اور ترکی جو اسلام کے پرچم تلے عالم اسلام کی صدیوں قیادت کر چکا تھا اسے غیر اسلامی قرار دے دیا گیا۔ عالم اسلام کی متحدہ قوت کو پاش پاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ عرب ممالک کے حصے بخرے کئے گئے۔ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور باجگذار سلطنتوں کی حیثیت سے زلہ ربائی کا موقع دیا گیا۔ بالشویک تحریک کے نتیجے میں عالم اسلام کا ایک بڑا حصہ سرخ طوفان کی نذر ہو گیا، سمرقند وبخارا جو کبھی عالم اسلام کی آماجگاہ اور علماء ومشائخ کا مخزن تھے ان کی خوابگاہ ومدفن بن گئے۔ یورپی طاقتوں نے عالم ااسلام کو اس طرح اپنے شکنجوں میں کسنا شروع کیا کہ لگتا تھا کہ اب اسلام کا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اور مسلمانوں کا زوال حتمی اور قطعی ہو گا۔ ایک ایک کر کے سارے مراکز یورپ کی استعماری طاقتوں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔

لیکن قضاء وقدر کے فیصلے عجیب ہوتے ہیں یاس ونا امیدی کے بطن سے امید کی کرن ظاہر ہوئی، مغرب کا طلسم ہوش ربا ٹوٹنے لگا، ۱۹۴۷ء میں برصغیر آزاد ہوا، اور اس کی آزادی کے ساتھ ہی استعماری طاقتوں کے شکنجے ڈھیلے پڑتے چلے گئے، ایک دو دہائی کے اندر اندر ساری اسلامی ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ وہ مظلوم ومقہور تھیں، ان کا سرمایہ لوٹ لیا گیا تھا، یورپی درندوں نے انھیں کنگال کر کے چھوڑا تھا، زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم جس طرح بہت سی اخلاقی، ذہنی اور معاشرتی کمزوریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ عالم اسلام کے بیشتر ملکوں میں ان کمزوریوں کا ایک سیلاب سا آ گیا۔ اس کی وجہ سے بے اعتمادی کے ساتھ بد اعتمادی کو فروغ ہوا، منافقانہ سازشیں شروع ہو گئیں، سربراہان مملکت کا قتل اور نئے سربراہ کی

تاج پوشی نے امن وامان کا مسئلہ پیدا کر دیا اور بے شمار کمزوریوں کو جنم دیا۔ عام طور پر اسلامی ملکوں کے سربراہ وہ لوگ منتخب ہوئے جو مغربی طاقتوں کے ایجنٹ اور ان کے نمک خوار تھے، جن کی تربیت اسلام کے زیر سایہ نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی تعلیم و ثقافت کا محور یورپ کے مسیحی تبشیری مراکز تھے۔ ان سربراہوں کی وجہ سے اسلام کو مزید آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلے جو قوم اپنے مشترکہ دشمن مغرب کے خلاف صف آرا ہو رہی تھی اب اس کی صفوں میں شگاف پڑنے لگا اور آپس کی چپقلشوں میں اضافہ ہو تا گیا، اسرائیل کی چھوٹی سی ریاست کے مقابلہ میں عربوں کی قوت کمزور پڑ گئی۔ اور وہ عربوں کی اسی کمزوری کی وجہ سے غرب اردن، غزہ کی پٹی اور گولان کی پہاڑیوں پر بھی قابض ہو گیا۔ اور سینا کا سارا علاقہ اس کے تصرف میں آگیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے عربوں کو قدرتی دولت پٹرول سے نوازا تو حالات قدرے سدھرنے لگے، لیکن اس کے ساتھ ہی مغرب کی للچائی ہوئی نظریں عالم اسلام کے ان خطوں پر دوبارہ پڑنے لگیں، جو اس کے خوں آشام پنجوں سے ابھی آزاد ہی ہوئے تھے۔ مغرب نے استعمار کی دوسری راہ نکالی، عراق وایران کے مابین دس سال خون آشام جنگیں ہوئیں افرادی قوت کے ساتھ مادی طاقت سے بھرپور اور ایران و عراق دونوں بے شمار مسائل میں پھنس کر رہ گئے، ایران چونکہ امریکہ کا مخالف تھا اللہ اعراق کو کھلے عام شاباشی دی گئی، عراق نے ذرا حوصلہ سے کام لیکر ایٹمی تنصیبات کا پلان مرتب کیا، اور اس سلسلہ میں روس اور دیگر ایٹمی ملکوں سے تعاون لیکر اپنے ایٹمی منصوبوں کو روبہ عمل لانے کی کوشش کی۔ لیکن امریکہ کو یہ بات کیسے بھاتی، اور اس کا لے پالک اسرائیل اس کو کیسے برداشت کر سکتا تھا امریکہ نے ایک نئی حکمت عملی تیار کی جس کے ذریعہ وہ عراق کو کمزور کر کے کویت وسعودیہ کی قوت کو توڑ بھی سکتا تھا، چنانچہ صدام حسین کے ذریعہ کویت پر حملہ کرادیا گیا، اور سعودیہ کو بندر بھبکیاں دی جانے لگیں، اور پھر تحفظ کے نام پر خلیج فارس کے ساتھ ساتھ سعودیہ اور کویت میں امریکی بحری اڈے قائم کر دیئے گئے، اور استعمار کا ایک نیا دور شروع ہو گیا، عراق کی ایٹمی تنصیبات کو تحفظ کے نام پر سبوتاژ کر دیا گیا، عراق جو عربوں میں سب سے زیادہ طاقت در تھا، اس کی قوت توڑ دی گئی، اور اس کے ارد گرد حصار کو تنگ کیا جاتا رہا، کویت کی پہلی حالت بحال ہوئی، لیکن اس جنگ کے نتیجے میں وہ اس قدر ٹوٹ چکا کہ اس کے ذریعہ عالم اسلام میں جو تعلیمی، دعوتی اور جہادی سرگرمیوں کو قوت بہم پہنچ رہی تھی، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، سعودی عرب جو ورلڈ بینک کو قرض دیا کرتا تھا، اسے نہ دیکر ورلڈ بینک سے قرض لینے پر مجبور کر دیا گیا، اور جنگ کے مصارف کے نام پر اس سے اتنا صرفہ وصول کیا گیا کہ وہ اندر سے ٹوٹ کر رہ گیا، معاشی صورت حال کمزور ہو گئی، عوام پر نئے ٹیکس عائد کئے گئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، قرض کا سود الگ دینا پڑ رہا

ہے اس طرح یہ اسلامی ملک سودی لعنت میں گرفتار ہو کر رہ گیا۔ ان سب ناگفتہ بہ حالات سے دوچار عالم اسلام سپہرہ زیست بر قوس قزح کے حسن وجمال کا متمنی ہے، اپنے آپ کو صرف ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لانا ہی نہیں چاہتا بلکہ ایک طاقت ور قوم کی شکل میں زندگی کا خوگر بھی ہے، ان آرزوؤں اور تمناؤں کی دہلیز پر اکیسویں صدی کے آفتاب کی کرنیں مسلسل پڑ رہی ہیں، حالات کروٹ لے رہے ہیں اور آج کسی ایسے محمود کی تلاش ہے جس نے ۵ / اگست ۱۰۰۱ء میں پشاور کے میدان میں راجہ جے پال کو شکست دی، جس کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ پیادہ اور تین سو ہاتھیوں کی ٹڈی دل فوج تھی۔ صرف دس ہزار کی فوج کے ساتھ محمود غزنوی کی یلغار نے اس کی کمر توڑ کر رکھ دی، اور اسے ایسی شکست فاش دی کہ وہ غزنی میں آٹھ ماہ محبوس رہنے کے بعد جب پنجاب واپس آیا تو سلطنت کا سارا کام دکاج اور تخت وتاج اپنے بیٹے انندپال کے حوالے کرتا ہوا اپنی رسوائی کی تاب نہ لاکر آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں کود گیا، اور ہمیشہ کیلئے جے پال کا فتنہ ختم ہو گیا، کاش آج بھی کوئی محمود ثانی پیدا ہو جو عالم اسلام کی صفوں میں وحدت پیدا کر کے اسلام دشمن طاقتوں کے نرغے سے ذہنی، فکری، معاشی، اور ثقافتی غلامیوں سے عالم اسلام کو آزاد کرائے۔

آج اجتماعیت کا دور ہے، ہر چیز کو اس کے سہارے فروغ دیا جا رہا ہے، ملکوں پر ہند شیں اسی نام نہاد اجتماعیت کی علمبردار تنظیم یو، این، او کے ذریعہ قائم کی جا رہی ہیں لہذا عالم اسلام کو بنیادی طور پر اس کے بالمقابل اسی اجتماعی روح کے ساتھ میدان عمل میں آنا ہوگا۔ اکیسویں صدی کی دہلیز پر فتنوں اور آزمائشوں کا سیلاب اُمڈتا ہوا دکھائی دے رہا ہے، اور اس کی ہر لہر عالم اسلام کو چیلنج کر رہی ہے، اس صورت حال کی عکاسی بہت پہلے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ان الفاظ میں کی تھی:

''اسوقت تقریباً تمام مسلمان ممالک (عالم اسلام) میں ایک ذہنی کشمکش اور شاید زیادہ صحیح الفاظ میں ایک ذہنی معرکہ برپا ہے جس کو ہم اسلامی افکار واقدار اور مغربی افکار واقدار کی کشمکش یا معرکہ سے تعبیر کر سکتے ہیں ان ملکوں کی قدیم تاریخ مسلم اقوام کی اسلام سے گہری وابستگی اور محبت اور جس نام پر جنگ آزادی لڑی اور جیتی گئی یا جس طاقت کے سہارے ان ملکوں کی آزادی کی حفاظت کی گئی سب کا دعویٰ ہے کہ اس سرزمین پر صرف اسلامی افکار واقدار کا حق ہے، اور یہاں صرف اس مسلک زندگی کی پیروی جائز ہے جس کی اسلام نے دعوت دی ہے۔

لیکن اس کے برعکس جس طبقہ کے ہاتھوں میں اس وقت ان ممالک کی زمام کار ہے اس کی ذہنی ساخت، اس کی تعلیم وتربیت اور اس کی ذاتی وسیاسی مصالح کا تقاضہ ہے کہ ان ممالک میں مغربی افکار واقدار کو فروغ دیا جائے، اور ان ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلایا جائے، اور جو دینی تصورات

قومی عادات، ضوابط حیات اور قوانین و روایات اس مقصد میں مزاحم ہوں، ان میں ترمیم و تنسیخ کی جائے، اور بالا اختصار یہ کہ ملک و معاشرہ کو تدریجی طور پر لیکن عزم و فیصلہ کے ساتھ مغربیت کے سانچہ میں ڈھال لیا جائے۔

اسی سلسلہ میں بعض ممالک اس سفر کی متعدد منزلیں طے کر چکے ہیں، اور اپنی منزل مقصود پر یا تو پہنچ گئے ہیں، یا اس کے قریب ہیں، اور بعض ممالک ابھی دوراہے پر ہیں۔ لیکن آثار و شواہد صاف بتا رہے ہیں کہ ع • دل کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

میرے نزدیک یہی اس وقت مسلم ممالک (عالم اسلام) کا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ ہے، یہ مسئلہ نہ فرضی ہے نہ خیالی، مسلم ممالک کی اندرونی کمزوریوں اور مغربی تہذیب کے نفوذ و استیلاء کی کیفیت نے (جس کی نظیر تہذیب انسانی کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی) ممالک کے مادی، سیاسی اقتدار سارے مسلم ممالک کے سامنے اس مسئلہ کو نہایت روشن سوالیہ نشان بنا کر کھڑا کر دیا ہے جس کا جواب سب کو دینا ہے اور اس کے بغیر کسی ملک کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی، مغربی تہذیب کے بارے میں یہ ممالک کیا رویہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے معاشرہ کو موجودہ زندگی سے ہم آہنگ بنانے اور زمانے کے ماہر تقاضوں سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے کون سی راہ اختیار کرتے ہیں، اور اس میں کس حد تک ذہانت و جرأت کا ثبوت دیتے ہیں، اس سوال کے جواب پر اس بات کا انحصار ہے کہ دنیا کے نقشہ میں ان قوموں کی نوعیت کیا قرار پائی ہے، ان ملکوں میں اسلام کا کیا مستقبل ہے؟ اور وہ اس زمانے میں اسلام کے عالمگیر و ابدی پیغام کے لئے کہاں تک مفید ہو سکتے ہیں؟" (اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ص ۱۱-۱۲)

اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب محمد اسد صاحب اپنی کتاب (Road to Makkah) میں یوں رقمطراز ہیں :

> "عالم اسلام اور یورپ کبھی ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں ہوئے تھے جتنے آج ہیں، اور یہی قرب اس ظاہری اور پوشیدہ کشمکش کا باعث ہے جو آج ان دونوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد (مردوں، عورتوں) کی روحیں مغربی ثقافت کے اثر سے آہستہ آہستہ سکڑتی اور سمٹتی جا رہی ہیں۔ اپنے اس گذشتہ احساس سے وہ دور ہوتے جا رہے ہیں کہ معیار معیشت کی درستی اور اصلاح صرف انسان کے روحانی احساسات کی اصلاح و ترقی کا ایک ذریعہ ہے، وہ اسی ترقی کے بت کی پرستش کا شکار ہوتے جا رہے ہیں، جس کی وجہ سے یورپ تباہ ہو رہا ہے، ان لوگوں نے دین کو واقعات و حوادث کے پیچھے کی ایک فرسودہ آواز سمجھنا شروع کر دیا ہے، اسلئے وہ بجائے بلند ہونے کے اور پست

ہوتے جارہے ہیں۔" (طوفان سے ساحل تک)

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

بیسویں صدی کے پس منظر میں اکیسویں صدی کے تعلق سے بہت سے سوال اٹھ رہے ہیں، کیا عالم اسلام مغرب کی دل ربائی ہی کرتا رہے گا یا کچھ کرنے کے لئے آگے بھی بڑھے گا؟ اسی طرح اکیسویں صدی میں کون سی فکر غالب ہوگی؟ کون سی تہذیب و ثقافت کو فروغ ہوگا۔ آثار و قرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ اب میدان عمل اسلام کی پکار ہے۔ مغربی تہذیب سے لوگ اُوب گئے ہیں، مسیحیت کے اندر کوئی طاقت نہیں، دیگر ادیان کھوکھلے ہوچکے ہیں، لیکن اسلام ایسا دین، ایسی شریعت اور ایسا قانون ہے جس کے اندر قوت ہے، نمو ہے، جدید و قدیم اصطلاح اس کے لئے بے معنی ہے، وہ ابدی اور سرمدی ہے، س کی تہذیب کی اساس حقائق ابدی پر ہے وہ ایک سدابہار درخت ہے جو کسی وقت بھی نمو کی طاقت اور رگ وبار لانے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتا۔

لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ اکیسویں صدی عالم اسلام کے غلبہ اور اظہار کی صدی ہے۔ اب دنیا کے سامنے اسلام کے سوا کوئی متبادل نظریہ حیات نہیں، اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کا فسوں ٹوٹ چکا ہے، اور پوری دنیا مغربی تہذیب کے باد سموم سے نیم جاں ہوکر سرچشمہ حیات کی تلاش میں سرگرداں ہے، لیکن شیطانی قوتیں انسانیت کو گمراہی میں مبتلا رکھنے کیلئے ذرائع ابلاغ کا استعمال پوری قوت سے کررہی ہیں، اور بنی آدم اور صراط مستقیم کے درمیان مصنوعی فاصلے اور رکاوٹیں ڈال رہی ہیں۔

ان حالات میں وہ صالح جماعتیں اور دردمند افراد جو معاصر مغربی تہذیب کی ہمہ گیری کے باوجود اسلام سے غیر معمولی وابستگی رکھتے ہیں اسلام سے انکی وابستگی اس بات کیلئے مجبور کرتی ہے کہ وہ معاشرے کے جملہ مسائل کا حل اسلام کی ہدایت کی روشنی میں دریافت کریں، باطل کا سحر انہیں متزلزل تو نہیں کرتا لیکن معاصر عہد میں اسکی ہمہ گیری انہیں گوناگوں طریقے سے پریشان ضرور کرتی ہے۔

جو افراد روایتی ملی احساس زیادہ رکھتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ نئی صدی میں داخلے کیلئے مسلمانوں اور مسلم ملکوں کے پاس کیا کیا ہونا چاہئے؟ ابھی تک ہم کیا کیا حاصل کرچکے ہیں؟ اور مزید کیا درکار ہے؟ ان سوالات و اضطرابات اور ان کے پس منظر پر جس قدر غور کیا جاتا ہے، یہی بات نظر آتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے بہزار درجہ مخلصانہ جذبہ کے باوجود اس فکر میں نقالی، کم نگاہی یا سطحیت کارفرما ہے۔ آج عالم اسلام میں اس فکر کے خلاف جو جدوجہد جاری ہے جسے فکر عصر حاضر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس کے دو بنیادی ہند ہیں، حقیقی معنوں میں وہ فکر اسلامی سے متصادم ہیں۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ :

۱- حیات انسانی روئے زمین پر مادے کی غیر معمولی، لامعلوم مگر اتفاقی اور حادثاتی عمل کا نتیجہ ہے، اس میں کسی خالق یا صناع کی کاریگری اور منشاء کا کوئی دخل نہیں۔ یہ ایک آزاد بے لگام اور بے سنگ و میل سفر ہے۔ ماضی اور مستقبل کی یکساں لامعلوم تاریکیوں کے مابین۔

۲- انسانی عقل فیصلہ کرنے، خیر و شر کے مابین آزادانہ تمیز کرنے، مفید و غیر مفید کے مابین فرق کرنے اور اپنے لئے قدریں متعین کرنے کے اعتبار سے کافی ہے اور یہ عقل، عقل کل کا حکم رکھتی ہے۔

بلاشبہ یہ جاہلی فکر کوئی نئی چیز نہیں، ربانی فکر کے مقابلہ میں شیطانی فکر ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ ہاں عصر حاضر میں اس کا ظہور "نشأۃ ثانیہ" کہلاتا ہے۔ جواب گویا نقطہ کمال تک پہنچ رہا ہے۔

اکیسویں صدی کا یہ سب سے بڑا چیلنج ہے جو عالم اسلام کو درپیش ہے۔ اس کے خلاف جو افراد اور جماعتیں سرگرم ہیں، وہ تشویشناک حد تک انہیں بنیادوں پر کام کر رہی ہیں۔ جو اس فتنہ جدید کی اساس میں داخل ہیں۔ یہ فتنہ جدید دراصل سوچ کی وہ رو ہے جس کے تحت اسلامی افراد اور جماعتیں مغربی جاہلی نظام اور اس کی اساس میں جاہلی قدروں کی مخالفت اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی عملی جدوجہد میں جاہلی نظام کی ظاہری عمارت کو ڈھا کر اس کے آثار اور اس کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکے بغیر (لاشعوری طور پر) انہیں قدروں کی بنیادوں پر اسلامی نظام کو استوار کرنے کی عملی جدوجہد کی طرف پیش قدمی کرنے لگی ہیں یا اس کا ارادہ رکھتی ہیں اور ظاہر ہے اس اساس پر جدوجہد کے مطلوبہ نتائج خوش کن نہیں ہو سکتے۔ نتائج کا تعلق بنیاد و اساس سے بہت گہرا ہوتا ہے۔ لہٰذا عالم اسلام کے مصلحین، محققین، باحثین اور مجاہدین کو اپنی بنیادوں "کتاب و سنت" کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا چاہئے۔ "تمسک بالکتاب والسنۃ" یہ وہ شاہ کلید ہے جو ہر قسم کی گمراہی، بے قدری اور بے وزنی اور بے بضاعتی سے ہمیں نکال کر روشنی قدر و منزلت اور باوزن حقیقت شعار زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔

اس کیلئے لازم ہے کہ عجلت پسندی سے کام نہ لیا جائے۔ منصوبہ بندی کے ساتھ ہر مرحلہ میں کام کو انجام دیا جائے۔ بعض اوقات عجلت کے پیچھے شدت شوق کا معصومانہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ شدت شوق بجائے خود بری چیز نہیں لیکن بعض اوقات شدت شوق بے لگام ہو جاتی ہے اور افراد یا جماعتیں اپنے فیصلے ایسے امور کو مد نظر رکھ کر کرنا شروع کر دیتے ہیں جو حقائق کے بجائے مفروضے ہوتے ہیں اور محض شدت شوق ان کی ایسی تعبیر کرتی ہے کہ وہ حقائق نظر آنے لگتے ہیں

اس کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ ان چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ وہ معاصر طاغوتی افکار سے مغلوب نہ ہو جائے۔ مغلوبیت انسان کو اپنی فکری اساس سے تہی دست کر دیتی ہے۔

اوربنیادی تبدیلی کے بغیر صرف ڈھانچے اور ساخت کی تبدیلی پر قانع ہونا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ اسکو انقلاب یا تبدیلی کا نام نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس کے ذریعہ چنوتیوں کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے : ولا تهنوا و لا تحزنوا و أنتم الاعلون ان کنتم مومنين

(اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم ایمان پر قائم رہنے والے ہو۔)

فلا تهنوا و تدعوا الى السلم و انتم الاعلون ....

(سو تم ہمت نہ ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے۔)

سلسلہ مطبوعات موتمر المصنفین (29)

اقتدار کے ایوانوں میں

شریعت بل کا معرکہ

...... از ......

مولانا سمیع الحق

ملک کی تاریخ میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا روشن باب 'ایوان بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظام اسلام کی جنگ 'آغاز' رفتارِ کار' صبر آزما مراحل کی لحہ بہ لحہ روئیداد اور مستقبل کے لائحہ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی' عورت کی حکمرانی' جہاد افغانستان اور اہم قومی وملی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے۔

...... موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ ......